بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

(۱)

ادھر دو سال سے تحریک اقامتِ دین کے عوامی دَور کا آغاز ہونے کے بعد سے اپنی ملّت کے مختلف عناصر کو قریب سے دیکھنے کا جو موقع ملا ہے، اس کے دَوران میں نہایت تلخ حقائق سامنے آئے ہیں۔ وہ حقائق جن کا علم ابتک ہوا ہے، ان کے پیشِ نظر اندازہ ہوتا ہے کہ بحیثیت ملّت ہم اگر جی رہے ہیں تو یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے۔

اس وقت ہمارے مختلف عناصر کے اندر نہایت بھیانک قسم کے ذہنی و اخلاقی روگ پھیل چکے ہیں جو اندر ہی اندر ہماری اجتماعی قوّت کو گھن کی طرح کھا رہے ہیں۔ پھر ان روگوں کی چھوت ایک سے دوسرے کو لگ رہی ہے۔ اور ہمارے کتنے ہی قیمتی افراد ہیں جو بیماریوں کا سرچشمہ بن چکے ہیں، اور اپنے گھناؤنے تخالف کو سارے معاشرے میں پھیلاتے پھرتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ اجتماعی زندگی کے ذہنی و اخلاقی مفسدات جسمانی امراض سے زیادہ تباہ کن ہیں اور یہ اس سے زیادہ توجّہ کے مستحق ہیں، جتنی توجّہ ہم ملیریا، چیچک اور تپ دق وغیرہ پر صرف کر رہے ہیں۔ ان جسمانی وباؤں سے ملّت کے افراد پر تباہی وارد ہوتی ہے۔ لیکن جن نفسیاتی سوشل بیماریوں کی طرف ہم اشارہ کر رہے ہیں، وہ اس نوعیّت کی ہیں کہ قوموں اور ملّتوں کو لے بیٹھتی ہیں۔

آج کی صحبت میں ہم ان مختلف امراض کے تذکرے کا آغاز کر رہے ہیں جنہوں نے ہمارے اکابر اور عوام میں ایک بڑی تعداد کو اپنے پنجوں میں دبوچ رکھا ہے۔ امراض کے ساتھ مریضوں کا تذکرہ ناگزیر ہے لیکن اس تذکرے سے جہاں ہمارا مقصود یہ نہیں ہے کہ کچھ لوگوں کو چھیڑا اور چڑایا جائے، وہاں متعلقہ افراد اور عناصر کو بھی حسنِ ظن سے کام لیتے ہوئے اصل حقائق پر غور کرنا چاہیئے۔ اور ان کی اصلاح کے لئے فکرمند ہونا چاہیئے ــــــــ نہ الٹا یہ کہ علامات و اسبابِ مرض کا تجزیہ کرنے پر محض اس وجہ سے

اشتعال دکھایا جائے۔ کہ کیوں اس تجزیئے نے ایک چھپے مرض کو واضح کر دیا اور صحت و تومندی کے جھوٹے زعم کی قلعی کیوں کھول دی۔ آخر غور کیجئے کہ اگر سِل کے مادّے سے متاثرشدہ مریض کو کوئی شخص مختلف علامات سے استدلال کر کے بروقت متنبّہ کر دے۔ کہ تمہیں اپنے علاج کی طرف متوجّہ ہونا چاہیئے تو یہ اشارہ کوئی گالی تو نہیں کہ اس پر بُرا منایا جائے۔ بلکہ یہ سچّی خیرخواہی ہے۔ بالکل اسی طرح ہم یہ سطور پوری خیرخواہانہ جذبے سے سپردِ قلم کر رہے ہیں۔ لیکن اگر کوئی ان حقائق کے واضح ہونے پر رنجیدہ ہو جن کو ہم عرض کرنا چاہتے ہیں تو ہمارے لئے صبر کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہیں ہے۔

درحقیقت جن مفاسد کا ہمیں تذکرہ کرنا ہے۔ وہ خود تحریک اقامت دین کی راہ میں ایک مستقل رکاوٹ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم ان سے چشم پوشی نہیں کر سکتے۔ غور فرمائیے کہ کیا ایک سلطنت اپنی فوج کو دشمنوں کے مقابلے کے لئے مضبوط تر بنانے کا پروگرام سامنے رکھنے کے بعد عوام کی صحت سے غفلت برت سکتی ہے؟ ——— یقیناً نہیں! تو بالکل اسی طرح اللہ کے دین کی سربلندی کے لئے اگر ہم دنیا کے ہر کلمۂ کفر و شرک کے خلاف علم جنگ بلند کر رہے ہیں۔ اور اس مقصد کے لئے سرفروشان حق کی ایک سپاہ کو منظم کرنے میں مصروف ہیں۔ تو ہمارے فرائض میں یہ بات بھی بنیادی طور پر داخل ہے کہ ہم اپنی ملت کی ذہنی، نفسیاتی اور معاشرتی و اخلاقی صحت کے معیار کو ترقی دینے کی سعی کریں۔ پھر یہ بھی نہ بھولنا چاہیئے کہ اگر کسی ملت کے اجتماعی، اخلاقی ماحول میں چند وبائیں پھوٹ پڑی ہوں، وہاں اگر ان وباؤں کی روک تھام کی تدابیر اختیار نہ کی جائیں۔ تو بڑے سے بڑا ڈاکٹر اور طبیب اور مضبوط سے مضبوط پہلوان بھی زیادہ دیر تک اپنے آپ کو ان وباؤں سے نہیں بچا سکتا۔ خود ہماری اپنی ذہنی و اخلاقی صحت کا دار و مدار بھی اسی پر ہے۔ کہ ہم اپنے ماحول کی تطہیر سے غافل نہ ہوں۔

ہم اس حقیقت کا بھی شدید احساس رکھتے ہیں۔ کہ جن امراض پر ہم گفتگو کرنا چاہتے ہیں، ان امراض کو اپنے اندر پال کر ہم ایک آزاد قوم کی حیثیت سے ایک مملکت کو ترقی کی راہ پر لے چلنے کی نازک ذمہ داریوں سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔ یہ عجیب بات ہے کہ آزادی کا آفتاب طلوع ہو گیا، لیکن ہماری ذہنی و روحانی دنیا میں ابھی وہ ساری تاریکیاں اطمینان سے ڈیرے ڈالے ہوئے ہیں جنہوں نے

غلامی کی رات کی کوکھ سے جنم لیا تھا۔ یہ تاریکیاں گویا یخ بستہ ہو چکی ہیں۔ اور اب ان کو بڑی محنت سے کھرچ کھرچ کر کے ضمیروں سے الگ کرنا پڑے گا!

ہمارے ملک میں ایک بہت بڑا گروہ ایسے لوگوں کا پایا جاتا ہے جو یقین و عزم کے جوہر حیات افزا سے بالکل محروم ہو چکا ہے —— حالانکہ اس جوہر کے بغیر اجتماعی زندگی کا استحکام کبھی ممکن نہیں ہوا۔ اس ضروری جوہر کو گنوا دینے کے بعد یہ گروہ ایک انتہائی "قنوطیت" کے خطرناک مرض کا شکار بن چکا ہے۔ اس مرض کا خاصہ ہے کہ یہ جب رونما ہو جاتا ہے تو مریض میں کسل، ضعف، ناکارہ پن اور وہن کے آثار ابھر آتے ہیں۔ صبح و شام گردش کرتے ہیں، لیکن قنوطیت کے مریض کی زندگی میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔ تاریخ کے ورق الٹے جاتے ہیں، لیکن "اہل یاس" کے اندر کوئی حرکت نمودار نہیں ہوتی۔ فرائض پکارتے ہیں اور ذمہ داریاں بلاتی ہیں لیکن متاع یقین و عزم کو کھو بیٹھنے والوں کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی۔ انقلاب کے قافلے جرس بجاتے ہوئے ان کے سامنے سے گزرتے ہیں لیکن ان کی رگوں کا خون بدستور منجمد رہتا ہے ذلتیں، نکبتیں اور مصیبتیں ان کو ٹھوکے لگاتی ہیں، لیکن ان کی آنکھیں نہیں کھلتیں!

ایسا ایک کثیر التعداد گروہ ہمارے درمیان موجود ہے۔ اس گروہ کے قنوطیت زدہ افراد باطل کی سرگرمیوں کو دیکھتے ہیں اور ان پر کڑھتے بھی ہیں، لیکن اصلاح کی کسی تدبیر کے کامیاب ہونے کا ان کو یقین نہیں، حق کو حق مانتے ہیں اور شائد دلوں میں اس کے غلبے کے لئے دعائیں بھی کرتے ہیں لیکن یہ توفیق نہیں کہ حق کی پکار پر اٹھ کھڑے ہوں اور اپنی قوتوں کی پونجی اس راہ میں لگا دیں۔ ان کو جب کبھی دعوت کار دی جاتی ہے۔ تو "بات ٹھیک ہے" کہہ کر پھر حالات کی ناسازگاری اور لوگوں کی نااہلیت کا رونا رونے لگ جاتے ہیں، ہر دعوتِ حرکت کے مقابلے میں ان کا جواب یہ ہوتا ہے۔ کہ بس اب کچھ نہیں ہو سکتا۔

مختصر یہ کہ قنوطی گروہ نہ صرف یہ کہ خود ہی مردانگی کو ایک مرتبہ رو پیٹ چکا ہے، بلکہ دوسروں کو بھی مایوسی کی چھوت لگانے میں سرگرم عمل ہے۔

ہمارے "مریضانِ قنوطیت" کی چند اقسام ہیں اور ان میں سے ہر ایک کی علامات اور ہر ایک کے

اسباب مرض جُداگانہ ہیں۔ ان کی مختلف اقسام کا الگ الگ تذکرہ کئے بغیر بات نہ کھُلے گی۔

"مریضانِ قنوطیّت" میں سے انتہائی خطرناک حالت تو اس گروہ کی ہے جو اپنے آپ سے مایوس ہے تو اس وجہ سے ہے کہ وہ خدا اور اسلام ہی سے مایوس ہو چکا ہے۔ اس گروہ کا مرض قریب لاعلاج ہے، اِلّا ماشاء اللہ!

اس طبقۂ اولیٰ کی بیماری کی جڑ یہ ہے کہ زبان سے خدا اور اس کے دین کو ماننے کے باوجود اور مسلمانوں کی سوسائٹی سے تعلق رکھنے کے باوجود اس کو خدا کے وجود ہی میں شک ہے۔ پھر اگر خدا کے وجود کا کوئی رسمی تصوّر ہے بھی تو اُس کی صفات پر شعوری ایمان تو بہرحال باقی نہیں ہے۔ یُوں سمجھئے کہ ہمارے ہزاروں بھائی ایسے ہیں جو سرے سے یہ احساس رکھتے ہی نہیں کہ کوئی ایسی ہستی کائنات کی خالق و ناظم ہے جو بااختیار ہے، جو عادل ہے، جو تقدیر ساز ہے، جو جزا و سزا دینے والی ہے، جو انسان کے لئے حق کی راہوں پر چلنے میں حامی و ناصر ہے، جو قربانیوں کو ضائع جانے نہیں دیتی، جس نے کوئی اخلاقی ضابطے اور تمدنی قوانین بنائے ہیں، جس کی ہدایت پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے، جس کے وعدوں پر یقین قائم ہو سکتا ہے۔ اور جو عالم الغیب والشہادۃ ہے۔

اِن حضرات کے ذہن اندر سے فلسفۂ الحاد کے سامنے مفتوح ہو چکے ہیں، چنانچہ خدا کے متعلق صحیح عقیدے کے برقرار نہ رہنے کی وجہ سے ان کے دلوں کی گہری تہوں میں "اسلام" سے بھی پوری پوری مایوسی اور بددلی پیدا ہو چکی ہے۔ یہ لوگ "اسلام زندہ باد" بھی پکارتے ہیں، نماز روزہ بھی کر لیتے ہیں، نبی صلعم اور قرآن سے وابستگی کا اظہار کرتے میں بھی کوتاہی نہیں کرتے، لیکن ان کی رُوحیں اسلام کے منزّل من اللہ ہونے کا یقین کھو چکی ہیں، یہ اسے تیرہ سو سال پہلے کا وقتی دین سمجھتے ہیں۔ اور دورِ حاضر میں اس کے احیاء اور اس کے چل نکلنے کے بارے میں پوری طرح بدگمان ہیں، پھر ستم یہ کہ ان کو یہ بھی بھروسہ نہیں ہے کہ اگر اقامتِ دین کی جدوجہد میں یہ جان و مال سے کوئی حصّہ لیں تو ان کی اس کارگزاری کا صلہ دینے والا کوئی موجود ہے جس کے پاس بیکراں خزانے ہیں۔ بلکہ ان کے سامنے ہر طرف تاریکی ہی

تاریکی ہے!

اس گروہ کے نزدیک ہر وہ اصول و نظام جو غالب ہوگیا ہو، اس کے سائے میں امن و چین سے جیئے چلے جانا اور ہر وہ ٹولی جو اقتدار پر قابض ہوگئی ہو اس کی رکاب تھام کر چلنا ہی بہترین مسلکِ حیات ہے!

چنانچہ جہاں تک باطل اصولوں اور غیر اسلامی نظاموں کے قائم کرنے اور چلانے کا تعلق ہے، یہ حضرات کبھی مایوس نہیں ہوتے۔ یہ ہر نظام کفر و شرک اور ہر تہذیب فسق و فجور کے کامیابی سے چل نکلنے کو ممکن تسلیم کر لیتے ہیں۔ اور ان کے قیام کیلئے جدوجہد کرنے والوں کی ہم نوائی کرنے میں بھی کوتاہی نہیں کرتے لیکن جہاں سوال اسلام کے اُصول و نظام کا آیا بیچارے "اُوں آں" کرنے کے سوا اور کسی قسم کا جذبہ دکھانے پر قادر نہیں ہوتے۔

یہ حضرات نہایت دیدہ دلیری سے مسلمان کہلا کر یہ بھی کہہ گزرتے ہیں کہ اسلام چلا آخر کے برس تھا؟ کبھی کہتے ہیں اسلام کی ماہیت ہی آج تک مشتبہ ہے تو اسے لے کے چلنا کیا معنی کبھی فرمائیں گے کہ اسلام کے بارے میں فرقی اور گروہی اختلافات اتنے کثیر ہیں کہ جہاں نظام اسلامی کے قیام کا سوال چھیڑا، باہم اختلافات کا طوفان اٹھ کھڑا ہوگا، لہٰذا اس متبرک ورثے کو لپیٹ لپٹا یا پڑے رہنا چاہیئے۔ کبھی ارشاد ہوگا کہ آجکل دین کو مانتا کون ہے؟ سب کو اپنی دنیا بنانے کی پڑی ہے ——— الغرض یہ کسی طرح اپنی قوتوں کی کوئی رمق اسلام کے غلبے کے لئے صرف کرنے پر تیار نہ ہوسکیں گے۔

اس طبقے کو تو اسلام کے ان بنیادی عقیدوں کے دعوت دینے کی ضرورت ہے جن کو غیر مسلموں کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ لیکن اس کوشش کے نتائج کے ظہور کا لمبا انتظار کرنے کی ہمّت ہونی چاہیئے

ان بیچاروں کی بالکل وہ حالت ہے۔ (بلا تشبیہ تامّہ) جسے قرآن نے "لَا مَوْلٰی لَهُمْ" کے الفاظ میں بیان کیا ہے۔ اور یہ حالت اس حالت کے بالکل برعکس ہے۔ جسے قرآن نے "اَللّٰهُ ولی الذین امنوا یخرجھم من الظلمٰت الی النور" کہہ کر پیش کیا ہے۔ یہ ایک بہت ہی قابلِ رحم حالت ہے۔ جس پر ہر سچے مسلمان کو عملی ہمدردی کا ثبوت دینا چاہیئے۔ یہ ایک کارواں

ہے جس کی مشعل گل ہو چکی ہے ۔ اور جو غول بیابانی کے نرغے میں گھرا ہوا ٹامک ٹوئیے مارتا پھرتا ہے لیکن اس کی دشت نوردیوں کی کوئی منزل نہیں، بلکہ ان دشت نوردیوں کا حاصل صرف تکان ہے!

جو بدنصیب "ایمان باللہ" کے محور سے ہٹ گیا اس کا اوّل بھی یاس و نومیدی ہے۔ اور اس کا آخر بھی یاس و نومیدی ہے۔ وہ محرومی کی منزل سے چلتا ہے۔ اور عمر بھر کے سفر کے بعد محرومی ہی کی منزل پہ پہنچتا ہے ——— الامان رحم ربی!

اس گروہ کے خوش بخت ترین افراد وہ ہیں جو خدا اور اس کے دین پر اپنا ایمان بالکل تو نہیں کھو بیٹھے، لیکن اپنی سیاہ کارگذاریوں کے پیش نظر اپنے خدا سے اور اس کے دین سے بدگمان ہیں۔ چنانچہ ان کو خدا اور دین سے ملتا بھی وہی کچھ ہے جس کی یہ توقع رکھتے ہیں۔ جیسے کہ حضرت ابوہریرہ سے یہ ارشاد نبوی صلعم مروی ہے۔ کہ یقول اللہ تعالیٰ انا عند ظن عبدی بی۔ یعنی میرا معاملہ اپنے بندوں سے ویسا ہی ہوتا ہے۔ جیسا کہ وہ مجھ سے توقع رکھتے ہیں۔

چنانچہ اللہ کے دین سے سوئے ظن رکھنے والوں کے پلّے نامرادی اور قنوطیت کے سوا اور کچھ نہیں پڑتا۔ اور اس طرح ان کی نامرادی او قنوطیت میں اور اضافہ ہوتا رہتا ہے، وہی بات کہ

فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا۔ — ان کے دلوں میں بیماری ہے۔ اور پھر اللہ نے اس بیماری کو اور بڑھا دیا!

اس طرح کے لوگوں کی گرہ کشائی کی واحد صورت یہ ہے۔ کہ ان کو اللہ سے اور اس کے دین سے اپنا معاملہ درست کرنے پر آمادہ کیا جائے، تا آنکہ یہ غیر شعوری ایمان سے نکل کر شعوری ایمان کی طرف آئیں، یہ دورنگی کو چھوڑ کر یک رنگی اور حنیفیت اختیار کریں، یہ نفاق اور تضاد کی آلائشوں سے ضمیروں کو پاک کریں، یہ خدا کے مقابلے میں چالیں چلنے سے باز آجائیں اور اس کے احکام و قوانین کا اپنے عمل سے مذاق اڑانا چھوڑ دیں۔ ان کا مرض نسبتاً زیادہ جلد علاج پذیر ہو سکتا ہے۔

دوسرا بڑا گروہ مایوسین جو سوسائٹی میں پھیلا ہوا ہے، ان لوگوں پر مشتمل ہے جو میدانِ سیاست

میں اپنا کھیل ہار بیٹھا ہے۔ ایک جواری کی طرح جو ایک بازی میں اپنا سب کچھ داؤں میں لگا دینے کے بعد گھنٹوں مہروں کو حرکت دیتے دیتے یکا یک جب دیکھتا ہے کہ حریف نے بازی مار لی تو اس کی ساری خیالی جنتیں دھڑام سے زمین پر آرہتی ہیں۔ رئیس اعظم بنتے بنتے وہ آناً فاناً کنگال ہو کے رہ جاتا ہے ہمارے وہ ہزاروں بھائی سیاسیات سے بددل ہو کر قنوطیت کی انتہائی حالت میں مبتلا ہو گئے ہیں جنہوں نے اپنی جانیں اور اپنے مال بساطِ سیاست پر رکھ کر سالہا سال تک مہرے لڑائے۔ اور جب فیصلہ کی گھڑی آئی۔ تو انہوں نے یہ دیکھا کہ کھیل اس پر ختم ہوا کہ ان کا حریف ان کی ساری متاع کو لے اُڑا ہے! واقعتہً یہ حالات مضمحل کر دینے والے ہی ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ اب ان حضرات میں یہ حوصلہ نہیں رہا۔ کہ وہ اپنے کھیلے ہوئے کھیل پر تنقیدی نگاہ ڈالیں اور نئے سرے سے بہتر خطوط پر دوبارہ جدوجہد کریں۔

اس طرح سیاسی بازی ہرنے والوں میں بالعموم یہ بیماری پیدا ہو جایا کرتی ہے کہ وہ اپنی غلطیوں کا سارا بار دوسروں کے کندھوں پر ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور ثابت یہی کرتے ہیں کہ لوگ نااہل تھے اور حالات ہی ایسے ردّی تھے کہ ہم کچھ نہ کر سکے، ورنہ خود ہمارے اندر کوئی کوتاہی نہ تھی اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ وہ اپنے غالب حریف کے "دربارہ میں اعترافِ شکست کر کے اس کے اقتدار کے پاسبان تک بننے پر اتر آتے ہیں۔ اور ایک وقت آتا ہے کہ اصلاح کی کوششوں کو روکنے میں ایسے ہی لوگ پیش پیش نظر آتے ہیں۔ کیونکہ قنوطی گرتا ہے۔ تو گرتا ہی چلا جاتا ہے۔ اور اس کے گرنے کی کوئی حد نہیں ہوتی، اِلّا یہ کہ اسے بروقت امداد بہم پہنچ جائے۔

ٹھیک یہی بیماری ان تمام لوگوں میں کسی نہ کسی درجہ میں جڑیں چھوڑ رہی ہے جو تقسیم ہند سے پہلے سیاست کی جنگاہ کے بڑے مجاہد شمار ہوتے تھے۔ اور اپنے اپنے مورچوں سے دادِ شجاعت دے رہے تھے لیکن تقسیم ہند نے ان کے نظریہ واصول، ان کے مسلک اور ان کے طرزِ سیاست کا چلن بالکل ختم کر دیا۔

یہ کتنا عبرتناک منظر ہے۔ کہ بہت سے ذہین لوگوں کی ذہانتیں، بہت سے اربابِ بصیرت

کی بصیرتیں، بہت سے جوانمردوں کے عزائم، بہت سے سیاسی مجاہدوں کی عمروں کی قربانیاں اپنی قیمت کھو چکی ہیں۔ اور دوسری طرف وہ لوگ جو ان کے سامنے طفل مکتب بھی نہ تھے جنہوں نے کوئی قربانیاں نہیں دی ہیں، جنہوں نے کوئی لمبی کشمکش نہیں کی ہے، وہ آج سربراہ کاری کے نشۂ پندار سے بدمست ہیں۔ جوتنے اور بونے کی محنت کرتے ہیں اور لوگ لگے رہے اور فصل کاٹ کے لے گیا کوئی اور!

اب ان کا کہنا یہی ہے کہ عوام اس قابل نہیں ہیں کہ کسی اچھے مقصد کے لئے کسی ٹھوس پروگرام پر چل سکیں، لہٰذا بہترین مسلک تو یہی ہو سکتا ہے کہ سیاست و تمدن کی گاڑی جدھر بھی چلتی ہے اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔

واقعہ یہ نہیں ہے!

ہم اپنے ان بھائیوں کی خدمت میں جو مختلف محاذوں پر لڑتے لڑتے اس انجام کو پہنچے ہیں کہ ہمیشہ کے لئے اپنے ہتھیار کھول کر "صاحبِ فراش" ہو جاتے ہیں۔ یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ آپ خدارا سنجیدگی سے اپنے سیاسی جہاد کی تاریخ کا جائزہ لیجئے! یقین جانئے کہ اگر کسی گروہ نے کوئی صحیح اصول اور صحیح مقصد اختیار کیا ہو تو کوئی "تقسیم" اس اصول و مقصد کی قدر و قیمت کو ختم نہیں کر سکتی۔ اور کوئی مجاہد حق کے موقف پر کھڑا ہو کر باطل سے نبرد آزما ہو رہا ہو تو اسے جان دینے پر بھی کبھی شکست نہیں ہوا کرتی۔ آپ اسے تسلیم کریں گے۔ کہ اسی دنیا میں وہ مقدس ہستیاں بھی گذری ہیں کہ جو اس حالت میں بھی اپنے حریفوں کے مقابلے میں فاتح تھیں جبکہ ان کے سروں پر تشدد کے آرے چل گئے جبکہ ان کی گردنوں میں پھانسی کے پھندے ڈالے گئے جبکہ ان کو آگ کے الاؤ کے حوالے کیا گیا اور جبکہ ان کو کوڑے لگائے گئے اور ان کے چہروں پر سیاہی لیپ کر ان کو مجرموں کی طرح کوچہ و بازار میں پھرایا گیا۔ یہ حضرات صرف وہ بازی کھیلے ہیں جس میں جان ہے۔ ان کی ساری متاعِ حیات کھپ گئی لیکن ان کا حریف بازی جیت کے ان کے سامنے سے کبھی نہ اٹھا۔ انہوں نے جو جنگ لڑی اس میں نہ پیٹھ دکھانے پر تیار ہوئے، نہ اپنے ہتھیار کھول کر انہوں نے دشمن کے حوالے کئے کہ لو اب ہمیں لونڈی غلام بنا لو!

دنیا میں ناکامی صرف ان کے لئے ہوتی ہے۔ جو کسی اٹل حقیقت اور کسی ثبت قدر رکھنے والے مقصد کو لے کے نہیں اُٹھتے، بلکہ ان وقتی مقاصد پہ جان و مال کی بازی لگا دیتے ہیں جن کی اہمیت آج ہوتی ہے۔ تو کل نہیں ہوتی، جن کی قدر ایک جغرافی خط کے اُس طرف ہوتی ہے۔ اِس طرف نہیں ہوتی۔ اور جن سے عوام ایک حال میں دلچسپی لیتے ہیں، دُوسرے حال میں نہیں لیتے۔ اس طرح کے مقاصد کی جنگ میں جسے فتح ہوتی ہے۔ اُسے عارضی فتح ہوتی ہے۔ اور جسے شکست ہوتی ہے۔ وہ لازماً مایوسی و نامرادی کے غار میں جا گرتا ہے۔ ایسے مقاصد کے لئے کشمکش کر کے ناکام ہونے والوں کا بھی اور ——— بظاہر کامیاب ہونے والوں کا بھی ——— بالآخر انجام ویسا ہی ہوتا ہے جس کو کتاب اللہ نے اِن الفاظ میں بیان کیا ہے :۔

"فمثله كمثل صفوان	سو اس کی مثال ایسی ہے، جیسے صاف پتھر
عليه تراب فاصابه	ہو، اس پر مٹی (کی ایک تہ) ہو، پھر اس پر برس
وابل فتركه صلدا	جائے زور کا مینہ، اور اسے چٹیل کر کے چھوڑ جائے
لا يقدرون على شيء	
مما كسبوا"	

اسی حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے یوں واضح فرمایا ہے :۔

وقدمنا الى ما عملوا من	اور ہم نے آ لیا، ان کی اہم سرگرمیوں کو جو
عمل فجعلناه هباءً	انہوں نے سرانجام دی تھیں۔ اور پھر اسے غبار
منثورا	پریشاں بنا دیا۔

پس آج اگر آپ یہ دیکھ رہے ہیں۔ کہ آپ کی کشت کاریوں کا کوئی حاصل نہیں تو مایوس ہو کر بیٹھ رہنے کی بجائے اس پر غور کرنا چاہیئے کہ ایسا کیوں ہُوا؟ ——— کہیں آپ نے اپنی جھولی میں گھٹیا مقاصد کے بیج تو نہیں ڈالے تھے؟ اور کہیں آپ نے چٹیل زمین پر بیج تو نہیں بکھیر دیا تھا؟ کاشت کارانِ حق جو کلمۃ اللہ کا بیج جھولیوں میں ڈال کے نکلتے ہیں وہ لمبی محنت کر کے

بجائی کرتے ہیں۔ وہ کھیتی کو اپنی ہڈیوں کے چونے کی کھاد دیتے ہیں، اور اپنے خون دل سے اسے سیراب کرتے ہیں لیکن ان کی ہمیشہ زندہ رہنے والی روحیں کبھی اس سوئے ظن میں مبتلا نہیں ہوتیں کہ ان کے بوئے ہوئے بیج مر سکتے ہیں، ان کی کھپائی ہوئی محنت رائگاں جا سکتی ہے۔ اور ان کی جانفشانیوں کا انجام نومیدی و نامرادی ہو سکتا ہے۔ بلکہ جب وہ بیج بو رہے ہوتے ہیں۔ تو ان کی نگاہ ان چمن زاروں اور نخلستانوں پر جمی ہوتی ہے جو اس تخم ریزی کے نتیجے میں بہت آگے چل کے نمودار ہونے والے ہوتے ہیں۔

ضرورت صرف اس بات کی ہوتی ہے۔ کہ بیج وہ لیا جائے جو مرنے والا نہ ہو، اور جب اُگے تو برگ و بار لائے، نہ کہ کانٹے بکھیرے، دوسرے یہ کہ کاشت صحیح طریقوں سے کی جائے اور تیسرے یہ کہ "دہقان" کو یہ یقین ہو کہ جس زمین پر محنت صرف کر رہا ہوں۔ اس کے مالک کے ہاں میری محنت محفوظ رہیگی!

ہمارے سیاسی مایوسین اگر غور کریں۔ تو وہ ماضی کا جائزہ لینے کے بعد اسی نتیجہ پر پہنچیں گے۔ کہ ان تین تقاضوں کو ملحوظ رکھے بغیر انہوں نے جانفشانیاں کی ہیں۔ چنانچہ آج وہ ایک ناخوشگوار صورت حالات سے دوچار ہیں۔

سیدھی بات یہ ہے۔ کہ اگر کسی فرد یا گروہ کی جانفشانیوں کا منتہا رضائے الٰہی کا حصول ہو۔ تو تلخ سے تلخ صورت حالات بھی اسے بددل نہیں کر سکتی۔ اور وہ اپنی جدوجہد کو بحیثیت ایک ڈیوٹی کے سر انجام دینے میں کبھی کوتاہ کار نہیں ہو سکتا۔ اور نہ مایوسی کا کوئی احساس اس کے اندر پیدا ہو سکتا ہے۔ یہ وہ مقصد ہے جس کی قدر و قیمت کبھی ضائع نہیں ہو سکتی۔ جس نے اعلائے کلمۃ اللہ پر کمر ہمت باندھ لی۔ اس کو نہ اس پر ضد کہ کوئی ملک ایک ہے۔ اور نہ اسے اس سے چڑھ کہ وہ دو یا دو سے زائد ٹکڑوں میں تقسیم ہو جائے، پھر اسے نہ اس کی پروا کہ یہ چھٹی صدی ہجری کا دور ہے یا چودھویں صدی کا زمانہ ہے۔ پھر اسے نہ اس سے گھبراہٹ کہ سر پر باہر کا امپریلزم مسلط ہے۔ یا گھر کے بتوں نے خداوندی جما لی ہے ـــــ اسے تو ہر حال میں "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" کی ذمہ داری پوری کرنی ہے۔ پھر اگر اس کی دعوت پھیل نکلے۔ تو بھی اسے اطمینان کہ اس کی مزد محفوظ ہے۔ اور اگر ساری دنیا مل

کہ اسے رد کر دے یا اسے پھانسی پر لٹکا دے، تو بھی اسے اپنے مالک پر پورا بھروسہ کہ اس کا اجر اسے بہر حال مل کے رہیگا! اس کا ایمان اللہ تعالیٰ کے اس اعلان کی صداقت کی پے بہ پے گواہی دیتا ہے کہ:

ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین (پ ۱۱ ع ۴)

اللہ تعالیٰ بھلائی کی راہ اختیار کرنے والوں کی مزدوری کو ضائع نہیں جانے دیتا۔

اور:-

ان الذین یتلون کتب اللہ و اقاموا الصلوٰۃ وانفقوا مما رزقنھم سرًّا و علانیۃ یرجون تجارۃ لن تبور ○ لیوفیھم اجورھم و یزیدھم من فضلہ انہ غفور شکور ○ (پ ۲۲ ع ۱۶)

وہ لوگ جو کتاب الٰہی کا مطالعہ کرتے ہیں۔ اور نماز قائم کرتے ہیں اور خفیہ و علانیہ اس رزق میں سے (راہِ حق میں) صرف کرتے ہیں جو ہم نے ان کو عطا کیا ہے اور اس سوداگری پر آس لگائے بیٹھے ہیں جو کبھی خسارے میں نہیں جا سکتی —— (سمجھ لو) کہ ان کو ان کے معاوضہ ہائے کار پورے کے پورے دیئے جائیں گے اور اللہ اپنے فضل سے اس میں اور بھی اضافہ کر دیگا۔ بلاشبہ وہ (خطاؤں کو) معاف کرنے والا بھی ہے۔ اور (محسنوں کا) حق ادا کرنے والا بھی ہے!

پس ہمارے سیاسی مایوسین کو دلوں کی گہرائیوں کا جائزہ لے کر دیکھنا چاہیئے۔ کہ انہوں نے کیا فی الواقع اپنے لئے وہی کاروبار پسند کیا تھا جس میں خسارے کا کوئی امکان نہیں؟ —— اور کیا انہوں نے اپنا حساب اللہ کے بنک میں کھولا تھا جس کے دیوالیہ ہونے کا کوئی امکان نہیں؟ وہ اگر دیانتداری سے اپنے ضمیروں کے اندر اتر کے غور کریں گے تو ان پر از خود یہ واضح ہو جائے گا کہ ان کی نگاہوں نے کاروبار کے انتخاب میں بھی اور اس کے طریق کار کے انتخاب میں بھی غلطی کی ہے۔ ان کا کاروبار سیاست بہر حال دنیوی مفادات سے متعلق رہا ہے۔ اور انہوں نے اپنا پورا حساب اللہ کے

بنک میں نہیں کھولا۔ بلکہ ایسے بنکوں میں اپنا زیادہ سرمایہ لگایا ہے جو دیوالیہ ہونے والے تھے اور وہ دیوالیہ ہو گئے۔

اب کیا ہو؟

اس سوال کے جواب میں صحیح مشورہ کسی خیر خواہ کی طرف سے اگر ہو سکتا ہے۔ تو صرف یہ ہے کہ ایک حوصلہ مند تاجر کی طرح جو ایک کاروبار میں ایک مرتبہ سرمایہ ڈبو دینے کے بعد ہمّت ہار کے بیٹھ نہیں رہتا بلکہ بچی کھچی پونجی کو پھر سوچ سمجھ کر کسی یقینی نفع دینے والے کاروبار میں لگانے کی تدبیر کرتا ہے۔ آپ حضرات اپنے ضمیروں میں سے رہا سہا سرمایۂ عزم و اخلاص نچوڑیں اور اسے کسی منفعت بخش "کاروبار" میں لگا دیں۔ یقین جانیئے کہ ہمّت ہار کر اپنی آزاد تجارت کی بساط لپیٹ دینے کے بعد آپ کے لئے اس کے سوا اور کوئی راستہ نہ ہوگا کہ آپ دوسروں کے ہاں "نوکر" بھرتی ہوں۔ اور جن سے کبھی آپ کو برابری کے دعوے تھے اور جن کے سامنے کبھی سینے تان کر آپ چلا پھرا کرتے تھے، ان کے جی حضوریوں اور دست نگروں کی صفوں میں کھڑے ہوں۔ اس ذلیل حالت میں مبتلا ہونے سے بہتر یہ ہے کہ آپ ایک خوانچہ ہی لگا بیٹھیں، لیکن وہ آپ کا اپنا آزاد کاروبار ہونا چاہیئے۔ کاروبار میں خدشۂ نقصان (RISK) بہر حال ہوتا ہے۔ اور اسے برداشت کرنے کے لئے جتنی مردانگی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے بغیر چھوٹے سے چھوٹا کاروبار بھی نہیں چل سکتا۔ یہ خدشۂ نقصان (RISK) صرف وہ لوگ برداشت کر سکتے ہیں، جن کے دلوں میں اس خدشے کے مقابلے میں امیدِ منفعت زیادہ قوی ہوتی ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ کوئی قنوطی اور کوئی یاس زدہ شخص اپنے بل بوتے پہ ایک روپے کا بھی کاروبار کر سکے!

آپ حضرات کا تو وہ حوصلہ تھا کہ آنکھیں بند کر کے متاعِ حیات ایک ایسے جوئے میں جھونک دی جس میں جیت کا امکان بہر حال پچاس فیصدی سے زیادہ نہ تھا، اور یا پھر اب یہ نامردی کہ اقامتِ دین کے یقینی نفع بخش کاروبار میں ایک کوڑی تک لگانے کا دل گردہ نہیں! ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا!

آپ حضرات کی یہ عجیب حالت ہے۔ کہ اگر آپ کو سرگرمیوں کے احیا کی دعوت دی جاتی ہے کہ اُٹھیئے، امیدوں کے چراغوں میں تیل ڈالیئے اور آزمودہ راہوں سے بچ کر جن میں سے ہر ایک "سوآءَ السّبیل" کی تعریف آئی ہے، اس صراطِ مستقیم پر چل کھڑے ہو جیئے جس پر انبیاء اور صلحا کے نقوش قدم ثبت ہیں تو آپ دعوت دینے والوں کا مضحکہ اڑاتے ہیں —— جیسے ایک صاحب تجربہ بزرگ کسی ناتجربہ کار نوجوان کے خیالات کا مضحکہ اڑاتا ہے۔ آپ کو وہ لوگ احمق دکھائی دیتے ہیں جو آپ کے فاتح حریفوں سے اختلاف رکھتے ہوئے حق کے غلبے کے لئے منظم طریق سے سرگرم عمل ہیں۔ آپ خود کام کرنا چھوڑ چکے ہیں لیکن جو لوگ کام کرنے کی ہمت رکھتے ہیں انکو اپنے تجربات کی روشنی میں یہ یقین دلانے کی کوشش کرتے ہیں کہ تم بھی یہ سب کچھ کر کے دیکھ لو، تمہارا انجام بھی اسی طرح قنوطیت ہو گا جس طرح ہمارا ہوا —— آپ کا مشورہ ساری دنیا کے لئے یہ ہے کہ کسی تبدیلی کی جدوجہد میں حصّہ نہ لو۔ بلکہ کھاؤ، پیو، شادی بیاہ رچاؤ، بچّے پیدا کرو۔ اور دنیا سے رخصت ہو جاؤ! —— حالانکہ اس کے برعکس خود آپ کو اپنی ناکامی کے پس منظر میں اس کے وجوہ تلاش کرنے چاہئیں۔ اور از سرِ نو اپنے لئے ایک پائدار اصُول اور ایک صحیح راہِ عمل کا انتخاب کر کے حرکت میں آنے کی صُورتیں نکالنی چاہئیں!

براہِ کرم اپنے ذہن پر، اپنے طرزِ فکر پر اور اپنے شوروں پر نظرِ ثانی کیجیے —— دُوسروں کے لئے نہیں، اپنے فائدے کے لئے۔

اقامتِ دین کی جدوجہد جب آپ کے سامنے شروع ہو چکی ہے۔ تو پھر اذانِ دعوتِ حق کی آواز کانوں میں پہنچنے کے بعد آپ کا فرض یہ ہے۔ کہ آپ اُٹھیں اور لبیک کہتے آئیں، اور ایک سپاہی کی طرح صفِ اوّل میں آ کھڑے ہوں۔ اور اللہ کے مطالبات کے مطابق ایک طرف گردنِ بندگی کو خم کریں اور دوسری طرف خیر و شر کی جنگگاہ میں پورے ولولے کے ساتھ دادِ شجاعت دیتے ہوئے نظر آئیں۔ لیکن یہ تو ایک عجیب مرض ہے۔ کہ اذان ہو یا جنگ، آپ حق کی پکار سُن کر حالات کا رونا رونے بیٹھ جائیں، حق کی کامیابی کے عدمِ امکان پر دلائل لڑانا شروع کر دیں۔ اور کسی طرح اُس سے مَس نہ ہوں!

یہ حقیقت بہرحال آپ کو جان لینی چاہیئے کہ :-

من اراد الاخرۃ وسعی	جس کسی نے انجام کار کی (بہتری) کا قصد کیا۔
لھا سعیھا وھو مومن	اور اس کیلئے اس کے تقاضوں کے مطابق دوڑ
فاولئک کان سعیھم	دھوپ کی بجالیکہ وہ مؤمن ہو۔ تو ایسے لوگوں کی
مشکورا (پ ۱۵ ع ۲)	جانفشانیوں کا حق ادا کیا جائے گا

یہ وعدہ صرف اُس انجام کار ہی سے متعلق نہیں ہے، جو زندگی لعدموت میں پیش آنیوالا ہے۔ بلکہ عین اس مادّی دنیا کی زندگی سے بھی اس کا تعلق ہے۔ جیسا کہ دوسرے موقع پر واضح کیا گیا کہ:

من عمل صالحا من ذکر	مردوں اور عورتوں میں سے جو کوئی عمل صالح پر کاربند
او انثیٰ وھو مؤمن	ہوا، بجالیکہ وہ مومن ہو، تو اسے یقیناً ہم وہ زندگی
فلنحیینہ حیوۃ طیبۃ	نصیب کرینگے جو حیات طیّبہ ہو۔ اور ایسے لوگوں
ولنجزینھم اجرھم باحسن ما	کے اجر کا حساب ہم لازماً چکائیں گے، ان اچھے
کانوا یعملون ۝	اعمال کے لئے جو انہوں نے سرانجام دیئے۔

یہ ضابطہ جہاں افراد کے لئے ہے، وہاں گروہوں کے لئے بھی ہے۔ کوئی فرد یا جماعت جس نے اعلائے کلمۃ اللہ کو زندگی کی جدوجہد کا محور بنایا ہو جس نے رضائے الٰہی کے حصول کو منتہا ٹھہرایا ہو، اور جس نے اپنی سعی وجہد کو مقصدِ حق کے تقاضوں کے مطابق صحیح حدود کا پابند رکھا ہو۔ اس کے لئے دنیا میں بھی بھلائی ہے اور آخرت میں بھی۔ اس کی حیات بہرحال طیّب ہوتی ہے اس کا قلب ہمیشہ مطمئن ہوتا ہے اس کی رُوح ہمیشہ پُرامید ہوتی ہے ـــــ اور کوئی کٹھن سے کٹھن منزل ایسی نہیں، جہاں اسے نامرادی اور مایوسی اور قنوطیت کا سامنا کرنا پڑے۔ جس فرد اور جس جماعت نے اطمینان کھو دیا۔ یقین کا جوہر ضائع کر دیا۔ امّید کی روشنی گم کر دی۔ اسے بہرحال یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ اس کے اصُول مقصد، طریق کار میں بنیادی کمزوریاں تھیں! اگر ہمارے سیاسی مایوسین کو یہ حقیقت محسوس ہو جائے۔ تو اب بھی پانسہ پلٹ سکتا ہے۔

ہماری ملت کا دوسرا بڑا قنوطی عنصر وہ ہے۔ جو محض اپنے تھڑدلے پن کی وجہ سے بار بار دل شکستہ ہوتا ہے۔ یہ عنصر خدا اور اس کے نبی اور دین برحق سے وابستگی رکھتا ہے اور نہیں چاہتا کہ کوئی دوسرا دین اس کے ملک پر غالب ہو۔ اقامت دین کے لئے دعائیں بھی کرتا ہے۔ حق کیلئے جدوجہد کرنیوالوں .... اور اس جدوجہد میں مصیبتوں کا سامنا کرنیوالوں سے ہمدردی بھی رکھتا ہے۔ لیکن بہرحال چونکہ اس عنصر پہ مایوسی کے دورے پے بہ پے پڑتے رہتے ہیں۔ اس وجہ سے اس عنصر کی قوتیں تحریک حق کے کام نہیں آسکتیں۔ اُلٹا اس کی قنوطیت عوام کو بزدل بناتی ہے۔

ان تھڑدلے پن کے مریضوں کی تین حالتیں ہیں جن میں سے ہر ایک کا بیان اشاعت آئندہ میں الگ الگ کیا جا رہا ہے۔

(باقی آئندہ)